www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مقالات
دوسری قسط

حافظ صہیب احمد میر محمدی

قرآءاتِ سبعہ وعشرہ ـــــ فسانہ یا حقیقت

حدیث نمبر5

امام ترمذی اپنی جامع ترمذی اور امام احمد اپنی مسند میں اُبی بن کعبؓ سے بیان کرتے ہیں کہ

لقی رسول الله ﷺ جبریل فقال یا جبریل انی بعثت الی امة امیین، فیهم العجوز والشیخ الکبیر، والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط، قال یا محمد ﷺ ان القرآن انزل علی سبعة احرف

"حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جبریل! میں ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو اَن پڑھ (لوگوں پر مشتمل) ہے، ان میں سے کوئی بوڑھا ہے اور کوئی بہت زیادہ سن رسیدہ بھی ہے، کوئی لڑکا ہے اور کوئی لڑکی ہے، کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھی۔ تو جبریل نے جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔"

یہ روایت تو امام ترمذی نے بیان کی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ

"قرآن جن حروف پر نازل ہوا ہے، وہ سب کے سب شافی اور کافی ہیں۔"

یعنی ان میں کسی قسم کی گمراہی کا خطرہ نہیں ہے جس طرح ایک حرف کے مطابق قرآن کا پڑھنا شافی اور کافی ہے اسی طرح باقی چھ بھی ـــــ کسی حرف کی تلاوت کرنے سے اس بات کا خطرہ نہیں کہ قرآن کا اصل منشا اور مفہوم بدل جائے۔

سنن نسائی کی روایت میں یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"حضرت جبریل اور میکائیل میرے پاس آئے۔ جبریل میری دائیں طرف بیٹھے اور میکائیل میری بائیں طرف۔ پھر حضرت جبریل نے مجھے کہا کہ قرآن مجید ایک حرف پر پڑھاؤ۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

حضرت میکائیل نے مجھے کہا کہ ایک اور حرف پر پڑھنے کی اجازت مانگئے۔ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اجازت مانگتا گیا یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دے دی گئی جو کہ شافی اور کافی ہیں۔"

اس حدیث میں ایک تو قراءات کا وحی الٰہی ہونا ثابت ہوا، دوسرا حروف کی تعداد سات معلوم ہوئی۔ تیسرا امت کی آسانی کا خیال رکھ کر نبی ﷺ کا عذر پیش کرنا معلوم ہوا کہ میری امت امیین کی ہے۔ اگر قرآن کو ایک ہی طریقے پر پڑھنا پڑا تو ان پر مشقت ہوگی۔

اس حدیث کے بعض طرق میں **فمُرهم فليقرؤا القرآن على سبعة احرف** یعنی "ان کو حکم دیجئے کہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں جس سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان قرآءات کے پڑھنے کا حکم وجوبی ہے کیونکہ امر بغیر قرینہ صارفہ کے وجوب کے لئے ہوتا ہے جبکہ یہاں کوئی قرینہ بھی صارف نہیں ہے۔ لیکن یہ وجوب ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ اتنے اشخاص کیلئے جن کے سیکھنے سے دوسروں سے کفایت ہوجائے یعنی قرآءات کا علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس طرح قرآن کا پڑھنا واجب نہیں، عمل ضروری ہے اسی طرح اس کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ منزّل من اللہ ہیں۔ کیونکہ تمام حروف قرآن نہ ہیں۔

حدیث نمبر 6

امام احمد اپنی "مسند" میں ابو قیس مولی عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ:

ان رجلا قرأ آية من القرآن فقال له عمرو انما هي كذا وكذا بغير ما قرأ الرجل فقال الرجل هكذا أقرانيها رسول الله ﷺ فخرجا الى رسول الله ﷺ حتى أتياه فذكرا ذلك له فقال ﷺ ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فأى ذلك قرأتم اصبتم فلا تماروا فى القرآن فان المراء فيه كفر

"ابو قیس مولی عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی آیت کو پڑھا تو عمرو بن العاص نے فرمایا کہ یہ آیت تو یوں ہے یعنی جیسے تم نے پڑھی ویسے نہیں ہے تو وہ آدمی کہنے لگا کہ مجھے تو ایسے آپ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ پھر دونوں آپ ﷺ کے پاس گئے جب دونوں آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو عمرو بن العاص نے معاملہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ جو بھی حرف تم پڑھو گے درستگی کو پہنچو گے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

قرآن میں جھگڑا نہ کیا کرو کیونکہ اس میں جھگڑ کرنا کفر ہے۔"

امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ حدیث میں دو صحابیوں کا جو اختلاف ذکر ہوا ہے، وہ کوئی تاویل میں اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو الفاظ کے ردوبدل میں اختلاف تھا جن سے تنوع و تغایر معلوم ہوتا تھا نہ کہ تناقض اور تضاد لیکن دونوں منزّل من اللہ تھے اور صحابیوں کی قراءت کا طریقہ پڑھا جاتا تھا۔ جب ایک نے دوسرے پر اس کے حرف کا انکار کیا تو پھر یہ انکار اس کو کفر سے بچا نہیں سکتا پھر وہ ضرور کفر کا ارتکاب کرے گا۔ کیونکہ اس نے اس حرف کا انکار کیا ہے جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اس لئے حکم سادر فرمایا: ان المرآء فیہ کفر

اس حدیث سے ایک تو قرآءات کا وحی من اللہ ثابت ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو بھی قراءت نبی کریم ﷺ نے پڑھائی ہوگی اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ تمام قراءتیں انہوں نے صحابہ کو پڑھائیں تھیں تبھی تو صحابی نے کہا تھا کہ اقرأنیہا رسول اللہ ﷺ

حدیث نمبر7

امام نسائیؒ اپنی سنن میں اور امام احمد اپنی "مسند" میں ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ قال نزل القرآن علی سبعة احرف، والمراء فی القرآن کفر ثلاث مرات فما عرفتم منه فاعملوا، وما جهلتم منه فردوه الی عالمه أی فتعلموه ممن هو أعلم منکم

"ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسالتماب ﷺ نے فرمایا: کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اور قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ تین مرتبہ یہ کہا۔ پس جو تم ان حروف سے جان لو اس پر عمل کرو اور جس کے بارے تمہیں علم نہ ہوسکے تو اس حرف کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو یعنی جو تم میں سے زیادہ جاننے والا ہے اس سے وہ سیکھ لو۔"

معلوم ہوا کہ اگر تو تمہیں سمجھ آجائے تو خود بھی پڑھنا اور عمل کرنا اور آگے پہنچانا لیکن اگر تمہاری کم علمی کی وجہ سے سمجھ نہ آسکے تو پھر اس کم علمی کو انکار کی شکل مت دینا بلکہ کسی عالم کی طرف رجوع کرنا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت میں کافی افراد کے لئے ان حروف (قرآءات) کا عالم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ بوقتِ ضرورت اس سے تصدیق و تحقیق کی جاسکے اگر عالم ہونا صحیح نہیں تو پھر فردّوہ إلی عالمه کا لغو ہونا صادق آئے گا۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

حدیث نمبر 8

ابن حبان اپنی مسند میں اور حاکم اپنی مستدرک میں ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

اقرء نی رسول اللہ ﷺ سورۃ من ال ﴿ حٰمٓ ﴾ ، فرحت الی المسجد فقلت لرجل اقرأھا فاذا ھو یقرأ حروفا ما اقراھا فقال اقرانیھا رسول اللہ ﷺ فانطلقنا الی رسول اللہ ﷺ فاخبرناہ فتغیر وجھہ وقال انما اھلک من کان قبلکم الاختلاف ثم اسرالی علیّ شیئا فقال علیؓ ان رسول اللہ ﷺ یا مرکم ان یقرا کل منکم کما علم، قال فانطلقنا وکل رجل منا یقرا حروفا لایقراھا صاحبہ

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ نے حٰم سے شروع ہونے والی کوئی سورت پڑھائی۔ جب میں مسجد میں گیا تو میں نے ایک آدمی کو وہ سورت پڑھنے کو کہا۔ وہ سورت کو اس انداز سے پڑھنے لگا جس طرح میں نے نہیں پڑھا تھا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے یوں رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا تھا۔ چنانچہ ہم آپ ﷺ کے پاس چلے گئے۔ اور اس معاملے کی خبر دی تو آپ ﷺ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے متغیر ہوگیا اور فرمانے لگے تم سے پہلے لوگ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ پھر علیؓ سے کوئی بات کہی تو علیؓ نے فرمایا کہ رسالتماب ﷺ حکم فرما رہے ہیں کہ تم میں سے ہر کوئی اسی طرح پڑھے جس طرح وہ سکھایا گیا ہے۔ پھر ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم چلے گئے اور ہم میں سے ایک شخص ان حروف کی قراءت کرتا تھا جن کی اس کا ساتھی نہیں کرتا تھا۔"

اس حدیث سے ایک تو قرآءات کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے دوسرا یہ کہ ہر قراءت کی صحابہ کو تعلیم آپ ﷺ سے خود ثابت ہوتی ہے اور تیسرا یہ کہ اس کے بارے اختلاف کرنے کو ہلاکت کا موجب قرار دیا ہے۔

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ مختلف قراءتیں پڑھتے تھے۔ گویا کہ ان کو روزمرہ بنایا ہوا تھا کسی ایک قراءت کو نہیں پڑھتے تھے بلکہ مختلف پڑھتے تھے' اپنے علاقہ کے اعتبار سے اور جو آپ ﷺ نے سکھائی ہوئی تھی۔

حدیث نمبر 9

طبرانی اپنی معجم میں اور ابن جریر طبری زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: اقرانی ابن مسعود سورۃ اقرانیھا زید، و اقرانیھا ابی بن کعب، فاختلف قراءتہم، فبقراءۃ ایھم اخذ؟ فسکت

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

رسول اللہ ﷺ وعليّ الى جنبه فقال علي ليقرا كل انسان منكم كما عُلِّم فانه حسن جميل

"زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک سورت ابن مسعود نے پڑھائی اور اسی کو زید بن ثابت نے پھر ابی بن کعبؓ نے پڑھایا ہے، لیکن ان تینوں کی قراءت مختلف ہے۔ میں کس کی قراءۃ کو لوں، تو آپ ﷺ خاموش ہوگئے اور علیؓ آپ ﷺ کے پہلو میں تھے۔ چنانچہ علیؓ نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک جیسے سکھایا گیا ویسے ہی پڑھے۔ یہ ہی اچھا اور بہتر ہے۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ ان کا وجود صحابہ کے دور میں تھا اور جو صحابہ کے دور میں ہو اور نبی حیات ہوں وہ غیر شریعت نہیں ہوسکتا گویا کہ وہ قرآن تھا جس کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ دوسرا یہ کہ کبار صحابہ مختلف قراءتیں پڑھتے تھے۔ تیسرے یہ کہ ہر قراءۃ میں تلقی لازمی ہے جیسے نبی کریم ﷺ سے صحابہ نے سیکھا اور صحابہ سے تابعین نے وھلم جرا ــــ اس سے قرآءات کا مفتریات سے ہونے کا اعتراض بھی لغو ثابت ہوگیا۔

حدیث نمبر 10

امام احمد اپنی مسند میں حذیفہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

لقي رسول الله جبريل وهو عند أحجار المِرى فقال: ان امتك يقرون على سبعة احرف فمن قرأ منهم على حرف فليقرا كما عُلِّم ولا يرجع عنه

"حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جبریل آپ ﷺ سے ملے اور آپ ﷺ مری جگہ کے پتھروں کے پاس تھے تو جبریل کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت سات حروف پر قرآن پڑھتی ہے اور پڑھے گی۔ چنانچہ جو بھی کسی حرف پر پڑھے وہ اس طریقے کے مطابق پڑھے جیسے وہ سکھایا گیا ہے اور اس سے مت پھرے۔"

اس حدیث سے ایک تو حیات نبوی ﷺ میں قراءتوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جبریل نے کہا: آپ ﷺ کی امت پڑھتی ہے تو وحی کے بغیر پڑھنا صحابہ کے لئے ممکن تھا۔ چنانچہ قراءتوں کا تعلق وحی سے ہوا۔ دوسرا یہ کہ صحابہ ساتوں کے ساتوں حروف پڑھتے ہیں۔ جو ہم کو حدیث کے الفاظ یقرؤن علی سبعة احرف سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی نوعیت بیان نہیں ہوئی کہ جدا جدا پڑھتے تھے یا پھر سارے ہیں۔ ہاں یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ صحابہ ساتوں پڑھتے تھے خواہ جدا جدا پڑھتے ہوں یا پھر سارے کے سارے۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

فوائد الاحادیث

مذکورہ احادیث پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(1) تمام کی تمام قرآءات مساوی ہیں کیونکہ تمام کی تمام حق ہیں۔ یہ فائدہ ہمیں ان فرامین نبویہ ﷺ اقوال سے حاصل ہوا ہے:

① ایما حرف قراء وا علیہ فقد اصابوا

② فای ذلک قرأتم اصبتم

③ اور اسی طرح آپ ﷺ کا اَحْسَنْتَ کہنا (جیسا کہ بعض روایات میں ہے)

④ راوی کا یہ کہنا کہ فَحَسَّنَ النبیّ ﷺ شأنہما

⑤ اسی طرح حضرت عمرؓ و حضرت ابیؓ کے انکار پر آپ ﷺ کا اتفاق نہ کرنا جو کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں پر کیا تھا۔ اس سے قرآءات کا مساوی ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

یہ تمام الفاظ اس امر پر دال ہیں کہ ہر حرف جو منزل من اللہ ہے، اس کی قراءت جائز ہے۔

اس سے یہ اعتراض بھی دور ہوا کہ روایت حفص اصل اور باقی فروع یا مفتریات ہیں۔

(2) تمام کی تمام قرآءات اختلاف لفظی کے ساتھ منزل من اللہ ہیں اور تلقی، (مشافہہ کے مستند طریقہ) سے ماخوذ ہیں اور کسی شخص کی رائے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کسی کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں خواہ وہ کہیں بھی رہتا ہو اور کس درجہ کا بھی عالم و متقی ہو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق قرآن پڑھے اور عبارت میں کوئی معمولی سی بھی تبدیلی کردے یا مترادف یا مساوی عبارت لے آئے۔

یہ فائدہ آپ ﷺ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے:

① کذلک اُنزلت

② اقرأنیہا رسول اللہ

③ مختلف صحابہؓ کی مختلف قراءتوں پر آپ کا یوں فرمانا کہ "میں نے ہی ایسے پڑھایا ہے"۔

چنانچہ اگر کسی کے لئے جائز ہوتا کہ وہ جو چاہے پڑھ لے تو قرآن باطل ہوجاتا۔ اس کا اعجاز جاتا رہتا اور الٰہی فرمان ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾ مکمل نہ ہوپاتا۔

(3) مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ قرآءات کے اختلاف کو مسئلہ نزاع و جدل بنائیں اور نہ تشکیک و تکذیب کا سبب بنائیں کیونکہ قرآن کا وجوہِ مختلفہ پر نازل ہونا تو امت پر رحمت اور آسانی کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اس آسانی کو جدل کے ذریعے کفر کی طرف لے جانے کا کوئی جواز

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نہیں۔ یہ فائدہ عمرو بن العاص کی حدیث کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے:۔

① فلاتماروا فی القرآن فان المراء فیه کفر

"تم قرآن کے بارے میں جھگڑو مت کیونکہ اس میں جھگڑنا کفر ہے"۔

② انما اهلک من کان قبلکم الاختلاف

"تم سے پہلے لوگوں کو اسی طرح اختلاف نے ہلاک کر دیا"۔

③ فتغیّر وجهه

"اس اختلاف پر نبی اکرم ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا"۔

④ ضرب فی صدر ابیؓ و عمرؓ

اختلاف کرنے پر "نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر و ابیؓ کے سینے پر مارا"۔

(4) حروف سبعہ پر قراءت کی اجازت مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں حاصل ہوئی کیونکہ حدیث میں ہے کہ "عند اضاءة بنی غفار" اور یہ جگہ مدینہ میں ہے نہ کہ مکہ میں۔ اور اسی طرح صحابہ کا کسی قراءت کے بارے میں مسجد کے اندر اختلاف کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کی مسجد مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں تھی۔

(5) تمام حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ سات حروف نازل ہوئے۔ اس پر از خود زیادتی اور کمی نہیں کی جاسکتی ہے۔

سبعہ احرف سے کیا مراد ہے؟

مناسب یہ ہے کہ "علی سبعہ احرف" کی تشریح ہو جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حروف سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ قراءات ہیں یا پھر کوئی اور چیز؟

لغوی طور پر "حرف" کا لفظ چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) حافہ (۲) ناحیہ (۳) وجہ (۴) طرف (۵) حد (۶) کسی چیز کا ٹکڑا۔

حافظ ابو عمرو دانی کے مطابق احرف کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(1) حرف بمعنی وجہ: یہ لغوی معنی کے مطابق ہے یعنی قرآن سات وجوہ پر نازل ہوا ہے اور ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ بھی اسی معنی سے ہے۔ یعنی "بعض لوگ اللہ کی عبادت ایک وجہ پر کرتے ہیں" پھر آگے اس کی توضیح فرمائی ہے کہ اگر ان کو خیر (نعمت و راحت، مال، عافیت، دعا کی قبولیت وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں تو ایمان پر جمے رہتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں، اور

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اگر سختی، نقصان اور آزمائش کی حالت پیش آجاتی ہے تو کفر اختیار کر کے (حرف بمعنی) عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔

(2) حرف بمعنی قراءت: حرف کا یہ معنی مجازی ہے۔ اور یہ اس بنا پر کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کسی شے کا وہ نام بھی رکھ دیتے ہیں جو اس چیز کا جزو یا قریب یا مناسب یا سبب یا اس سے تعلق رکھنے والی چیز کا نام ہو۔ بس چونکہ مختلف قرآءات حروف میں تغیر سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً حرکات کی تبدیلی، ایک حرف کا دوسرے سے ابدال، تقدیم و تاخیر، امالہ، زیادتی و کمی اس لئے عرب کے استعمال پر اعتماد کرتے ہوئے رسالتماب ﷺ نے قراءت کو (گو وہ طویل کلام ہو) حرف فرما دیا۔ گویا یہاں کل کے بجائے جزو کا نام استعمال کیا ہے جس کو اصطلاح میں مجاز مرسل کہتے ہیں (یعنی حرف کہہ کر وہ کلمہ قرآنیہ مراد لیا گیا) جس میں خاص قراءت پائی جا رہی ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تَحْرِيرُ رَقَبَة سے مراد صرف گردن آزاد کرنا نہیں بلکہ پورا غلام آزاد کرنا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں سبعہ احرف لفظ کا جو استعمال ہوا ہے، وہ لغوی اعتبار سے وجہ کے معنی میں ہے اور مجازاً قراءت کے معنی میں ـــــ لیکن اگر مذکورہ احادیث پر غور کیا جائے تو حرف کی حقیقت واضح تر ہو جاتی ہے:

حروف سے مراد "قرآءت" ہیں

(1) حدیث نمبر1 میں دیکھیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام کو سنا "يقرأ على حروف كثيرة" ـــــ اس کے بعد جب حضرت ہشام نے نبی اکرم ﷺ کے فرمانے پر پڑھنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "فقرأ عليه القراءة التى سمعته يقرأ" ـــــ اب دیکھیں پہلے جملے میں فرمایا کہ وہ حروف پڑھے تھے۔ بعد میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس نے وہ قراءت پڑھی جو میں نے اسے پڑھتے سنا تھا۔ گویا حروف سے مراد انہوں نے قراءت لیا ہے ـــــ اور ہم قراءت کی تعریف میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ "عبارة عن لفظ الاحرف مجموعا" یعنی حروف کے مجموعہ کو قراءۃ کہتے ہیں۔ یہی مراد حضرت عمرؓ نے اس حدیث میں استعمال کی ہے۔ پہلے حروف کہا بعد ازاں دوسرے جملے میں ان حروف کو قراءت سے تعبیر کر دیا۔

(2) اسی طرح حدیث نمبر4 میں دیکھیں کہ حضرت ابی بن کعب نے "فقرأ قراءة انكرتها عليه" کہا ہے۔ حالانکہ نزول تو حروف کا ہوا تھا۔ چونکہ قراءت حروف سے مرکب ہوتی ہے اس لئے قراءت کہہ دیا اور جملہ ... بھی ... لفظ ... "... قراءة ، سوى قراءة

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

صاحبہ" ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف تو حروف میں تھا جس کو قراءت کہہ رہے چونکہ حروف کے مجموعہ کو قراءت کہتے ہیں لہٰذا انہوں نے حروف کو قراءت کہہ دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف کا تعلق قراءت سے ہے۔ جیسا کہ علامہ دانی نے تعریف میں اس کی وضاحت کردی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سات حروف پر نازل ہونے کا سبب کیا تھا؟

سات حروف پر نازل ہونے کا سبب ـــــ امت کی سہولت

قرآن مجید کا سات حرف پر نازل ہونے کا سبب امت کو آسانی اور وسعت دینا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اعلیٰ ترین کتاب اور اشرف ترین رسول عطا فرما کر سب امتوں پر فوقیت دی۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی خواہش، امت کی ضرورت اور اپنی خصوصی رحمت سے امت کے لئے مزید آسانی فرماتے ہوئے قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا۔ چنانچہ احادیث میں گزر چکا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیں آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عافیت اور مدد چاہتا ہوں، میری امت اس پر عمل نہیں کرسکے گی پھر آپ ﷺ بار بار درخواست کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سات حروف کی اجازت دے دی۔ نیز صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا۔ اور پہلی کتابیں ایک ہی دروازے سے ایک ہی حرف پر نازل ہوتی تھیں۔ اور یہ فرق اس لئے تھا کہ پہلے انبیاء کو صرف ان کی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا اور رسالتماب ﷺ کو عرب و عجم، سرخ و سفید وسیاہ تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور قرآن عرب کی لغت میں نازل ہوا تھا اور عرب کی لغات جدا جدا تھیں۔ زبانیں متفرق تھیں اور ایک لغت والے کو دوسروں کے لغت میں پڑھنا دشوار تھا بلکہ بعض تو پڑھ ہی نہیں سکتے تھے دوسری قوم کے انداز قراءت میں پڑھنا تعلیم و تدبیر سے بھی ممکن نہیں تھا۔ خصوصاً بوڑھوں، عورتوں، اَن پڑھ لوگوں کو اور بھی دشواری تھی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس اگر ہر حالت میں یہ حکم ہوتا کہ ایک ہی حرف پر قرآن مجید پڑھنا ہے تو یہ ان کی طاقت سے باہر ہوتا یا سخت مشقت در پیش ہو آتی اور طبیعتیں قرآن کی تلاوت سے مشکل محسوس کرتیں۔

چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ اپنی کتاب "مشکل" میں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ "اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

قرآن پڑھائیں"۔ چنانچہ اصحاب ھذیل ﴿ حتی ﴾ کی بجائے ﴿ عتی ﴾ بولتے تھے اور بنو اسد ﴿ تَعلَمُونَ، تعلَم، تَسوَدّ وجوه، اَلَم اَعهَد اِلَيكم ﴾ وغیرہ میں علامتِ مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے تھے جبکہ بنی تمیم ﴿ يَألَمُونَ، شِئنَت، يُؤمِنُونَ ﴾ وغیرہ میں ہمزہ پڑھتے تھے لیکن قریش اس ہمزہ میں ابدال کرتے اور بعض ﴿ قِيلَ لَهُم ﴾ اور ﴿ غِيضَ المَاءُ ﴾ میں اشمام کرتے تھے۔

اسی طرح ﴿ لَاتَأمَنَّا ﴾ میں ادغام اور ضمہ کا اشمام کرتے ــــ بعض ﴿ عَلَيهِمْ، فِيهِمْ ﴾ جبکہ بعض ﴿ عَلَيهِمُو اور مِنهُمُو ﴾ پڑھتے تھے۔ اسی طرح بعض ﴿ قَدَافلَحَ، قُلُ اُوحِیَ اِلَیَّ ﴾ میں نقل کرتے جبکہ بعض ﴿ مُوسىٰ، عِيسىٰ، دُنيَا ﴾ کو امالہ سے، بعض تقلیل (تھوڑے امالہ) سے پڑھتے تھے۔ اسی طرح بعض ﴿ خبيراً اور بصيراً ﴾ کی راء کو ترقیق کے ساتھ اور بعض ﴿ اَلصَّلَاة اور الطَّلَاق ﴾ کی لام کو تفخیم سے پڑھتے تھے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اگر ان حضرات سے ہر گروہ یہ چاہتا کہ وہ اپنی لغت یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی پڑی ہوئی عادت کو چھوڑ دے تو اس میں ان کو بڑی دشواری پیش آتی اور بڑی محنت کرنا پڑتی اور ایسا عرصہ تک مشق کرنے اور زبان کو مسخر کرنے اور عادت کو ترک کرنے کے بعد ممکن ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف و کرم و انعام سے قرآن مجید کو پڑھنے میں بھی وسعت کردی۔ تاکہ آسانی ہوجائے اور امت سے رحمت کا معاملہ ہوجائے۔

قرآن مجید سات حروف پر کیوں نازل ہوا؟ کم یا زیادہ پر کیوں نہیں؟

اکثر حضرات کہتے ہیں کہ عرب کے اصل اور بڑے بڑے قبیلے سات ہی تھے یا عرب کی فصیح اور باقاعدہ لغات سات ہی تھیں۔ اسی لئے قرآن مجید سات حروف پر ہی نازل ہوا کم یا زیادہ پر نہیں لیکن یہ محض دعویٰ ہے۔ اسی طرح بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ سبعہ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں وسعت و سہولت دے کر حق تعالیٰ نے مطلقاً اجازت دی ہے کہ قرآن مجید کو عرب کی لغات میں سے کسی لغت میں پڑھنا چاہو پڑھ سکتے ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طرح پڑھ کر سکھایا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ سبعة، سبعين اور سبع مائة بول کر اس سے معین عدد کی بجائے کثرت مراد لیتے ہیں۔ جیسے قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے: ﴿ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنبَتَت سَبعَ سَنَابِلَ ــــ اِن تَستَغفِر لَهُم سَبعِينَ مَرَّةً فَلَن يَّغفِرَ اللّٰهُ لَهُم ﴾ حدیث نبوی ﷺ میں بھی یہ استعمال موجود

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہے: "والجنة الى سبعمائة ضعف الى اضعاف كثيرة " اور "الايمان بضع و سبعون شعبة" اسی قبیل سے ہیں۔ یہ توجیہ بظاہر تو بڑی عمدہ ہے لیکن در حقیقت یہ بھی درست نہیں ہے۔ (جس کی وجہ آگے ذکر ہوگی)

علامہ ابن الجزری فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث پر ۳۰۔ سال تک غور و فکر کیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا ایک مطلب ظاہر فرما دیا اور وہ یہ کہ میں نے تمام قرآء ات کو تلاش کیا تو ان کے تغیر کو ذیل کی سات انوع سے مزید نہیں پایا۔ انہیں میں نے دیکھا سات قسموں میں سے کسی نہ کسی طرح کا تغیر ہوتا ہے:

(۱) حرکات میں تغیر ہوجائے لیکن لفظ کی صورت اور معنی میں کوئی فرق نہ آئے جیسا کہ بِالْبُخْلِ، بِالبَخَلِ

(۲) حرکات اور معنی میں تغیر ہوجائے لیکن صورت میں نہ ہو جیسے ﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ ﴾ اور ﴿ آدَمَ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٌ ﴾

(۳) حروف اور صورت میں تغیر ہوجائے لیکن معنی میں نہ ہو۔ جیسا کہ بصطة اور بسطة اور الصراط والسراط میں ہے۔

(۴) حروف اور معنی میں تغیر ہوجائے لیکن صورت میں نہ ہو۔ جیسے تَبلوا تتلوا اور نُنَجِّيكَ ننجيكَ

(۵) حروف و معنی و صورت تینوں ہی میں تغیر ہوجائے۔ جیسے اَشَدَّ مِنكم، اَشَدَّ مِنهم اور يَأْتَلِ، يَتَأَلَّ

(۶) تقدیم و تاخیر کا تغیر فَيَقتُلونَ وَيُقتَلونَ اور فَيُقتَلونَ، وَيَقتُلونَ

(۷) حروف کی زیادتی و کمی کا تغیر ہو وَاَوصٰى وَوَصّٰى

آپ مزید کہتے ہیں کہ اصولی اختلافات جیسے اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد، قصر، امالہ، فتحہ، تحقیق، تسہیل، ابدال اور نقل وغیرہ میں لفظ و معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ صرف کیفیت ہی میں ہوتی ہے اور اگر مان لیں کہ تبدیلی ہوتی ہے تو پھر یہ ان سات میں سے پہلی قسم میں داخل ہوں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابوالفضل رازی اور ابن قتیبہ نے بھی قدرے مختلف عناوین سے یہی تشریح مراد لی ہے۔ یعنی انہوں نے بھی سات حروف سے لفظی تغیر مراد لیا کہ جو بھی حرف ہوگا ان

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

تغیرات سے باہر نہیں ہوگا۔

بعض علماء محققین نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ جب ہم قرآءات متواترہ میں تغیرات کا شمار کرتے ہیں تو وہ ان سات صورتوں سے زیادہ ہوتی ہیں اور نہ ہی کم۔ اور وہ صورتیں یہ ہیں:

(1) اسماء میں اختلاف: جو مفرد، تثنیہ، جمع اور مبالغہ کے قبیل سے ہوگا۔

جیسا کہ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ (بقرہ) وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (بقرہ) فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (مائدہ) اللهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام) وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ (اعراف) أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللهِ (توبہ) وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ (رعد) إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجْلِسِ (مجادلہ) یہ تمام الفاظ مِسْكِينٍ، كُتُبِهِ، رِسَالَتَهُ، إِصْرَهُمْ، مَسَاجِدَ، الْكُفَّارُ، الْمَجَالِسِ مفرد و جمع پڑھے گئے ہیں۔ ان میں ہر ایک میں دو دو قراء تیں ہیں۔ ایک مفرد کے ساتھ اور دوسری جمع کے ساتھ۔

کبھی اسماء میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے اختلاف ہوتا ہے۔

جیسا کہ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کو وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ) كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ کو كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ (نساء) وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ (انفال) کو وَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح کبھی اسماء میں اختلاف مبالغہ کا ہوتا ہے۔ جیسے عالم الغیب کو علام الغیب پڑھا گیا ہے۔

(2) افعال میں اختلاف: افعال میں اختلاف تصرف و تغیر کے قبیل سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا (بقرہ) کو وَمَنْ يَطَّوَّعْ خَيْرًا، وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ (بقرہ) کو وَاتَّخَذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ، قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ کو قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ (مومنون) قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بقرہ) کو قَالَ اعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھا گیا ہے۔

(3) اعراب کے وجوہ میں اختلاف:

جیسا کہ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (بقرہ) کو وَلَا تَسْأَلْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً (نساء) کو إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةٌ ، اللهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (ابراہیم) کو اللهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ کو فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٌ (بروج) پڑھا گیا ہے۔

(4) زیادتی اور نقص کا اختلاف:

جیسا کہ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ (آل عمران) کو سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ، وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا

© rasailojaraid.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مَسجِدًا (توبہ) کو الَّذِینَ اتخذوا مَسجدًا، وَما عَمِلَتهُ ایدیھم (یٰسین) کو وَما عَمِلَت ایدِیھِم، وَفِیھَا مَاتَشتَھِیہِ الانفس (زخرف) کو وَمَاتَشتَھِی الانفس اور فَبِمَا کَسَبَت ایدیکم (شوریٰ) کو بِمَاکَسَبَت ایدیکم اور فَاِنَّ اللہ ھوا الغنی الحمِید کو فَاِنَّ اللہ الغنِیُ الحَمِید پڑھا گیا ہے۔

(5) تقدیم و تاخیر کا اختلاف:

جیسا کہ وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا (توبہ) کو وَقُتِلُوا وَقَاتَلُوا، وَنَاٰی بِجَانِبِہٖ (بنی اسرائیل) کو وَنَاءَ بِجَانِبِہٖ، اَفَلَم یَیأَسِ الَّذِینَ آمَنُوا (رعد) کو اَفَلَم یَأیَسِ الَّذِینَ آمَنُوا اور خِتٰمُہٗ مِسکٌ (مطففین) کو خَاتَمُہٗ مِسکٌ پڑھا گیا ہے۔

(6) ابدال کا اختلاف:

ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ بدل دینا:

جیسا کہ ھُوَ الَّذِی یُسَیِّرُکُم (یونس) کو ھُوَ الَّذِی یَنشُرُکُم، وَمَا اَنتَ بِھَادِی العُمیِ (نمل، روم) کو وَمَا انتَ تَھدِی العُمیَ، لَنُبَوِّئَنَّھُم مِنَ الجَنَّۃِ غُرَفًا (عنکبوت) کو لَنُثوِیَنَّھُم، یَقُصُّ الحَقَّ (انعام) کو یَقضِی الحَقَّ، کَیفَ نُنشِزُھَا (بقرہ) کو کَیفَ نَنشُرُھَا، وَالعَنھُم لَعنًا کَبِیرًا کو لَعنًا کَثِیرًا، ھُنَالِکَ تَبلُوا کُلُّ نَفسٍ (یونس) کو ھُنَالِکَ تَتلُوا کُلُّ نَفسٍ، وَمَاھُوَ عَلَی الغَیبِ بِضَنِینٍ (کورت) کو بِظَنِینٍ، وَلَایَخَافُ عُقبٰھَا (شمس) کو فَلَایَخَافُ عُقبٰھَا پڑھا گیا ہے۔

(7) لہجات میں اختلاف:

جیسا کہ فتحہ، امالہ، اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، تسہیل، تحقیق، ابدال، نقل، تخفیف، اور تشدید اس میں وہ کلمات بھی داخل ہیں جن کی ادائیگی میں قبائل نے اختلاف کیا ہے۔

جیسا کہ خُطُوَاتِ کو خُطوَاتِ، بُیُوتٌ کو بِیُوت، خُفیَۃً کو خِفیَۃً، یَحسَبُ کو یَحسِبُ، بِزَعمِھِم کو بِزُعمِھِم، یَعزُبُ کو یَعزِبُ، القِسطَاس کو القُسطَاس، یَلحَدُونَ کو یُلحِدُونَ، بِالبُخلِ کو بِالبَخَلِ، ضُعفًا کو ضَعفًا، شَنَآنُ کو شَنْآنُ، یَقنَطُ کو یَقنِطُ، فَلیَستَحِکُم کو فَلیَستَحکُم پڑھا گیا ہے۔

اب آیئے ان اقوال کی روشنی میں درج ذیل عبارت کی مدد سے سمجھتے ہیں کہ سات میں کمی و زیادتی کیوں نہیں؟

حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس قرآن کو ایک حرف پر لے کر آئے تو میکائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے۔ اس پر اللہ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

تعالیٰ سے آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے آسانی کی درخواست کی۔ پھر وہ دو حروف لے کر آئے۔ میکائیل علیہ السلام نے پھر کہا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے۔ سو آپ ﷺ نے پھر آسانی کی درخواست کی، پھر تین حروف لے کر آئے۔ اور اسی طرح ہوتا رہا یہاں تک کہ حروف کی تعداد سات تک پہنچ گئی۔

ابوبکرہ کی حدیث میں ہے کہ اس کے بعد میں نے میکائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ خاموش ہوگئے میں نے اس سے سمجھا کہ اب شمار ختم ہوچکا ہے۔ (اس پر زیادتی نہیں ہوگی) پس یہ دلیل ہے کہ معین عدد سات ہے۔

اصل میں اس حدیث سے جو ابوبکرہ نے روایت کی ہے اور دیگر احادیث جن کا مضمون بھی یہی ہے، سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد آپ کا درخواست نہ کرنا اور دل کا مطمئن ہو جانا اس بات پر دال ہے کہ سات کے عدد کو کافی سمجھ لیا۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا اطمینانِ قلب بھی قدرتی حکمت کے تابع ہے گویا اللہ کی مرضی و منشا بھی یہ تھی کہ سات حروف میں قرآن مجید کو نازل کریں۔ اسی لئے رسول ﷺ کے دل کو اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے مزید سوال نہیں کیا تھا۔ در اصل معلوم یہ ہوتا ہے کہ جتنے بھی الٰہی عظیم افعال ہیں، ان میں خدا نے سات کی رعایت رکھی ہے۔ دیکھیں آسمان بنائے تو سات، زمینیں بنائی تو سات، اور ان دونوں کی تکمیل کے بعد ساتویں دن ہی عرش پر مستوی ہوئے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ سات سال کا بچہ ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دو۔ اس لئے کہ یہ وہ مدت ہے کہ جب اس کو بہرصورت اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنا چاہئے۔ گویا جتنے بھی بڑے کام، انجام کے اعتبار سے ہوں یا بنفسہٖ معظم ہوں، اس میں سات کے عدد کی رعایت کی ہے۔ اس طرح برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو سات بار دھونے کا حکم ہے۔ گویا صفائی یہ بھی اللہ کو چونکہ نہایت ہی پسند ہے، اس میں بھی سات کو پسند فرمایا۔ قرآن مجید کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اسے کل کائنات کے لئے نمونہ اور کتاب ہدایت بننا تھا تو اس کو بھی سات حروف پر نازل کیا۔ کمی و زیادتی نہیں کی۔ لیکن اب اگر کوئی قرآن کو ایک حرف پر محصور کردے تو گویا اس نے اللہ کے حکم اور حکمت کی مخالفت کی جس کا حساب اسے روز حشر اللہ تعالیٰ کے سامنے دینا ہوگا۔

قرآءت کے اختلاف کی حقیقت اور اس کے علمی فوائد

قرآءت کا بظاہر اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے تضاد و تناقض کے قبیل سے نہیں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

یعنی قرآءت سے طرح طرح کے معانی سامنے آتے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود باہم متضاد اور مخالف نہیں ہوتے کیونکہ کتاب اللہ میں تضاد محال ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴾

ـــــ (سورۃ نساء)

یعنی اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر ہوتا چنانچہ نا ممکن ہے کہ ایک قراءت میں امر ہو اور دوسری میں نہی ہو یا کسی طرح تعارض ہو۔

علامہ جزری فرماتے ہیں کہ تمام قراءتوں کے اختلاف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصداق کے اعتبار سے اختلاف کی تین قسمیں ہیں:

اول: یہ کہ لفظ میں تبدیلی ہو جائے لیکن معنی دونوں قراءتوں میں ایک ہی رہے جیسے الصراط، السراط ـــــ علیہِم، علیہُم ـــــ القدْس، القدُس ـــــ یحسِب، یحسَب

دوم: لفظ اور معنی میں تبدیلی تو ہو جائے لیکن دونوں کا مصداق ایک ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہوں جیسے سورہ فاتحہ میں مٰلِکِ اور مَلِکِ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہی ہیں، اس لئے کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی کیونکہ اس دن سب مجازی سلطنتیں بھی ختم ہو جائیں گی ـــــ بما کانوا یَکْذِبون اور یُکَذِّبون (بقرہ) اس میں دونوں قراءتوں پر فعل کی ضمیر منافقین کے لئے ہے۔ پہلی قراءت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے "یہ منافقین اپنے آپ کو مومن بتلانے میں جھوٹ بولتے ہیں" جبکہ دوسری قراءت کے یہ ہوں گے کہ "یہ منافقین نبی کریم ﷺ کو جھوٹا بتاتے ہیں" ـــــ کیف نُنْشِزُھا اور نُنْشِرُھا (بقرہ) اس میں بھی دونوں قراءتوں میں مفعول کی ضمیر عظم (ہڈیوں) کے لئے ہے جو مونث لفظی ہے چنانچہ پہلی قراءت کے معنی یہ ہونگے کہ ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کس طرح ایک دوسرے پر چڑھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ سب جُڑ کر ایک ہو جاتی ہیں جبکہ دوسری قراءت کا معنی یہ ہوگا کہ دیکھو ہم ان ہڈیوں میں جان ڈال کر ان کو کس طرح زندہ کر دیتے ہیں۔ پس قراءتوں کے ذریعے دونوں معانی ادا ہو گئے۔

سوم: لفظ و معنی دونوں میں تبدیل آجائے اور دونوں کا مصداق بھی جدا جدا ہو لیکن کوئی ایسی توجیہ کرنا ممکن ہو جو دونوں کو متحد کر دے اور تضاد پیدا نہ ہونے پائے۔

مثالیں: وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا اور کُذِّبُوْا میں ذال کی تخفیف والی قراءت پر ظن، وہم کے معنی میں ہے اور جمع کی تینوں ضمیریں کفار کیلئے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ کفار کو یہ وہم ہو گیا کہ رسولوں

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نے جو خبریں دی ہیں ان میں ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ تشدید کی صورت میں ظن یقین کے معنی میں ہے اور تینوں ضمیریں رسولوں کے لئے ہیں یعنی رسولوں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب ان کی قوم نے انہیں پوری طرح جھٹلادیا ہے۔ ضد اور مخالفت کے سبب اب ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں رہی۔

۲۔ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اور لَتَزُوْلُ مِنْهُ الْجِبَالُ: پہلی قراءت میں ان نافیہ ہے جو لام نفی کی تاکید کے لئے ہے جبکہ مضارع اَن مقدرہ کی بنا پر منصوب ہے۔ اور الجبال سے مجاز کے طور پر نبی کریم ﷺ کی نبوت، دین اسلام اور قرآن مجید مراد ہے یعنی کفار کی تدبیریں تو فی نفسہا بڑی بڑی اور مضبوط تھیں لیکن اس کے باوجود بھی ان کی تدبیر ایسی نہ تھی جن سے پہاڑ (نبوت، قرآن، دین حق) اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور دین الٰہی مٹ جاتا بلکہ ان کی مخالفت کے باوجود بھی دین حق غالب ہی رہا اور ان کی تدبیریں نیست ونابود ہوگئیں اور دوسری قراءت پر اَن مخففہ من المثقّلہ ہے اور لَتزولُ کے پہلے لام پر فتحہ ہے اور یہ لام ابتدائیہ ہے جبکہ دوسرے لام کا رفع ہے اور الجبال حقیقی معنی میں ہے پس اس سے یہی ظاہری پہاڑ مراد ہیں یعنی یہ بات یقینی ہے کہ کفار کی تدبیریں اس قدر مضبوط اور سنگین تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے مٹ جاتے لیکن اس کے باوجود وہ دین الٰہی کو مغلوب نہ کرسکے جو دین اور نبی کریم ﷺ کی صداقت پر واضح ترین دلیل ہے۔

۳۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ اور عَلِمْتُ (اسراء) تاء مفتوحہ کی صورت میں عَلِمْتَ کا فاعل اور مخاطب فرعون ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ اے فرعون تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات و معجزات حق تعالیٰ نے نازل کیے ہیں۔ پس علم کے باوجود تیرا انکار ضد اور عناد کی بنا پر ہے، شک وشبہ کے طور پر نہیں اور تاء مضمومہ والی قراءت میں فاعل موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اس میں فرعون کے قول ﴿ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴾ کا جواب ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مجنون کہا تھا۔ پس قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ میں فرمایا کہ مجھے اس بات کا پورا علم ہے کہ یہ احکام وآیات آسمان وزمین کے رب کے نازل کیے ہوئے ہیں۔ اور کیا مجنون عالم ہوسکتا ہے پس عالم کو مجنون کہنے والا خود مرضِ جنون میں گرفتار ہے۔

ان مثالوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ضدیت اور منافات کسی بھی قراءت میں نہیں۔ اگر ہمیں کسی قراءت کی ضدیت کا شبہ ہو تو وہ ہماری ہی کم فہمی اور کم علمی وکم عقلی کا نتیجہ ہے جس سے کلام الٰہی بالکل بری اور پاک ہے۔ ہر قرآءت میں متفق مراد کی توجیہ ممکن ہے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جو قراءت بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہو جائے اس کا ماننا واجب ہے اور اس کو قبول کرنا لازم ہے، اور امت میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو رد کرے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔۔اور اس امر پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر قراءت حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے کیونکہ ہر قراءت کا تعلق دوسری قراءت کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہے پس ہر آیت اور قراءت جس معنی پر مشتمل ہے اعتقاداً بھی اس کی پیروی کرنا ضروری ہے اور عملاً بھی اور یہ بھی جائز نہیں کہ دو قراءتوں میں تعارض و مخالفت کا گمان کر کے ایک پر تو عمل کر لیا جائے اور دوسری کے حکم کو نظرانداز کر دینے کا طرز عمل اختیار کیا جائے۔

چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لاتختلفوا فی القرآن ولاتنازعوا فانه لایختلف ولایتساقط الخ

"قرآن مجید میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ نہ تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ کوئی حصہ اس کا حذف ہو سکتا ہے"۔

چنانچہ فقہاء اور قرآء کے اختلاف میں نمایاں فرق یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور قرآء کا اختلاف روایتی ہوتا ہے۔ اس لئے فقہ کی اختلافی وجوہ میں فی الواقعہ ایک ہی صحیح، حق اور راست ہے اور ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے لیکن خطا کا احتمال رکھتا ہے جبکہ قراءتِ متواترہ کی اختلافی وجوہ میں سے واقع میں ہر ایک صحیح حق اور منزل من اللہ ہے اور کلام الٰہی ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جس صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعی کی طرف اس کی نسبت ہے اس نے اس کو اسی طرح پڑھا اور اپنا معمول بنا رکھا تھا اور وہ اس کے لئے اَضْبَطْ وَاَقْرَأْ تھا یعنی اس کو سب سے زیادہ محفوظ رکھتا اور نہایت عمدگی سے پڑھتا تھا اور قراءت کے اماموں اور راویوں کی طرف قرآءات اور روایات کی جو نسبت ہوتی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ قاری یا راوی نے معتبر حضرات سے پڑھ کر ان وجوہ کو اختیار کر کے اپنے لئے لازم کر لیا تھا اور ہمیشہ انہیں وجوہ کو پڑھتا اور پڑھاتا تھا اور لوگوں نے اس سے اسی کو روایت کیا۔ معلوم ہوا کہ قرآءات کی کسی قاری یا صحابی کی طرف نسبت ترتیب، اختیار و لزوم اور ہمیشگی کی وجہ سے ہے اس لئے نہیں کہ انہوں نے ان وجوہ کو اپنے اجتہاد اور رائے سے خود بنا لیا تھا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے مختلف وجوہ پڑھنے والوں میں سے ہر ایک کو اَحْسَنْتَ، اَصَبْتَ اور ہٰکَذَا اُنْزِلَتْ فرما کر درست بتایا تھا۔ حدیث عمر رضی اللہ عنہ گزر چکی ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر سورہ نحل پڑھی بر خلاف اس

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے جیسا کہ میں پڑھتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی ہے تو کہنے لگا نبی کریم ﷺ نے ـــ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی سورہ نحل پڑھی اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی میں نے جب اس سے پوچھا تو اس نے بھی وہی جواب دیا جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوگیا اور میں ان دونوں کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا آپ ﷺ نے ایک سے سن کر فرمایا: اَحسَنتَ "تو نے اچھی پڑھی" اور دوسرے سے سن کر فرمایا: اَصبتَ یعنی "تو درستی کو پہنچا" پھر مجھ سے سن کر فرمایا: ھٰکذا انزلت یعنی "یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے" اور پھر میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا: اعیذک باللہ یا ابی من الشک "اے ابی رضی اللہ عنہ! میں تمہیں شک وشبہ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں"۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے جو وجہ بھی پڑھو وہ ہی درست ہے شک نہ کرو کیونکہ ان میں شک کرنا کفر ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک حرف پڑھے، وہ اس کو ترک کر کے دوسرے کی طرف نہ جائے یعنی کسی وجہ کا انکار نہ کرے۔

قرآءات کے مزید فوائد

۱۔ انتہاء درجہ کی بلاغت، کامل درجہ کا اعجاز اور اکمل ترین اختصار ــــ اس لئے کہ جب ہر قراءت ایک آیت کے مرتبہ میں ہے تو ایک کلمہ کی متعدد قراءتیں کئی آیتوں کے قائم مقام ہوں گی پس اگر ہر قراءت کی بجائے مستقل آیت نازل ہوتی تو ظاہر ہے عبارت بہت ہی طویل ہو جاتی۔

۲۔ قرآءات کا اختلاف نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت پر عظیم الشان اور واضح ترین دلیل ہے اس لئے کہ جدا جدا قراءتوں میں طرح طرح کا اختلاف ہوتے ہوئے بھی ضدیت ومخالفت معدوم ہے بلکہ ہر ایک قراءت سے دوسری کی تصدیق وتشریح، تائید وتفسیر ہوتی ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہی ہو سکتی ہے، پس جب قرآن کلام الٰہی ہے تو جس نبی ﷺ پر یہ نازل ہوا وہ بلاشبہ صادق ہے۔

۳۔ اسی انتہائی بلاغت واختصار کے سبب امت کو قرآن مجید کا یاد کرنا اور اس کا نقل کرنا آسان ہوگیا ہے کیونکہ ہر قراءت کے لئے مستقل آیتوں اور جملوں کا یاد کرنا، نقل کرنا دشوار ہے اور ایک ہی کلمہ میں اس کی متعدد قرآءتوں کا یاد کر لینا (بالخصوص جبکہ اس کلمہ کا رسم الخط بھی یکساں ہو) آسان ہے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

۴- اسی اختلاف کے سبب امت کے علماء کے اجر وثواب میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے- اس لئے کہ وہ ہر قراءت کے معنی تلاش کرنے اور ہر لفظ کی دلالت سے احکام نکالنے اور پوشیدہ بھیدوں اور اشارات کو ظاہر کرنے میں پوری طرح کوشش کرتے ہیں. اور گہری نظر سے توجہ کر کے اپنے علم وفن کے مطابق ہر قراءت کی توجیہ، تعلیل اور اس کے مضمون کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ محنت ومشقت کے مطابق ہی اجر عطا فرماتے ہیں-

۵- اسی سے باقی امتوں کے مقابلے میں امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے- اس لئے کہ اس نے کتاب الٰہی کو پورے شوق اور کامل توجہ کے ساتھ پڑھا اور پڑھایا، اس کے ایک ایک لفظ کی بحث کی، ایک ایک صیغے کی تحقیق کی- اسی کی صحت ودرستی کو آشکارا کیا، اس کی تصحیح کو درجہ کمال تک پہنچایا اور کسی گمراہ کو اس میں ادل بدل اور زیادتی وکمی کرنے کا موقع نہیں دیا- حرکت سکون، تفخیم، ترقیق حتی کہ مدات تک کی مقداروں اور املوں کے تفاوت کو بھی ضبط کیا، غرض اس قدر اہتمام کیا کہ کسی اور امت کا فکر ووہم بھی اس حد تک نہ پہنچ سکا اور توفیق والہام الٰہی کے بغیر اس درجہ تک کسی کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی-

فسبحان الله من اصطفهم ووفقهم لحفظ كتابه الجليل واعطاهم بذلك الاجر الجزيل

٦- ہر قاری اپنی اختیار کی ہوئی وجوہ کو متصل سند کے ذریعہ نبی کریم ﷺ تک پہنچاتا ہے- جس سے اہل باطل کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور یہ صرف اسی امت اور اسی کتاب کی خصوصیت ہے-

۷- حق سبحانہ وتعالیٰ ہر زمانے میں ایسے اماموں کو موجود رکھتا ہے جو فن میں حجت ہوتے ہیں، اور ان کا وجود صرف قرآءات کی خدمت کے لئے وقف ہوتا ہے، اور وہ طرق وروایات ووجوہ کی تحقیق کرتے رہتے ہیں اور ان کی بقا سے قرآن عظیم لوگوں کے سینوں اور مصاحف میں صحت ودرستی کے ساتھ باقی رہتا ہے اور اس سے قدرت الٰہی کا کرشمہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی کتاب عظیم کی کس طرح حفاظت فرماتے ہیں-

علمی فوائد

1- متفق علیہ حکم کا اظہار، جیسا کہ سورہ نساء میں ﴿وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ کے بعد، سعد بن ابی وقاص کی قرآءت میں مِنْ أُمٍّ کا لفظ بھی ہے- اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہاں وہ بہن بھائی مراد ہیں جو اخیافی (ماں شریک) ہوں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اور اسی لئے مسئلہ مشترکہ میں علماء کی رائے مختلف ہے- وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی مرنے والے نے چار قسم کے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

وارث چھوڑے: ۱۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک، ۲۔ ماں یا دادی یا نانی میں سے کوئی ایک، ۳۔ اخیافی بہن بھائی، عینی بھائی بہنوں میں سے ایک یا زائد، چنانچہ اکثر صحابہؓ اور ان کے بعد والے لوگوں کی رائے میں اخیافی اور عینی دونوں قسم کے بہن بھائی ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ کیونکہ سب ایک ماں سے ہیں۔ اور یہی شافعیؒ ، مالکؒ ، اسحاقؒ وغیرہ کا مذہب ہے اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ صحیح قرآءت کے ظاہر الفاظ کی بناء پر تہائی حصہ صرف اخیافی بہن بھائیوں کو ملے گا اور عینی بہن بھائی محروم ہونگے یہ موقف امام ابو حنیفہ، ان کے تینوں اصحاب اور احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری وغیرہ کا ہے۔ رحمہم اللہ

2- مختلف فیہ مسئلہ میں ایک جانب کو ترجیح دینا۔ جیسے قسم کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کے مذہب میں اس کا مومن ہونا شرط ہے، جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں یہ شرط نہیں، بلکہ کافر غلام سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے، پس سورہ مائدہ میں ﴿ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ کی قرآءت سے امام شافعی کے مذہب کو ترجیح ہو جاتی ہے اور ابو حنیفہؒ کا جواب یہ ہے کہ دوسری قرآءات میں مومنۃ کا لفظ نہیں ہے اس لئے مطلق کو مقید کرنا مناسب نہیں ہے۔

3- دو مختلف حکموں کو جمع کر دینا، جیسے سورۂ بقرہ میں حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور يَطَّهَّرْنَ ـــــ پہلے یطھرن میں دو احتمال تھے۔ ۱۔ یہ کہ خون بند جائے۔ ۲۔ غسل کرلیں مگر تشدید کی قرآءت نے بتادیا کہ حیض والی عورت سے صحبت کرنا اس وقت جائز ہے جب دونوں شرطیں پائی جائیں، یعنی خون بھی بند ہو جائے اور غسل بھی کرلیں۔

4- مراد کے خلاف دوسرے وہم کو دور کر دینا جو ایک قرآءت کے ظاہر سے پیدا ہوتا ہے جیسے سورۃ جمعہ میں ﴿ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ کی بجائے ﴿ فَامْضُوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ ہے چنانچہ دوسری قرآءت نے بتلادیا کہ پہلی قرآءت سے جو وہم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جمعہ کے لئے لازماً دوڑ کر چلنا چاہئے، یہاں یہ معنی مراد نہیں بلکہ صرف چلنا کافی ہے، گو آہستہ ہو کیونکہ زیادہ قدموں کا بھی بڑا ثواب ہے مسجد کی طرف جاتے ہوئے۔

5- مشکل لفظ کی تفسیر کر دینا جس میں یہ احتمال ہو کہ سننے والا سمجھ نہ سکے گا، جیسے القارعۃ میں كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ کی بجائے كَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ ہے، چنانچہ لفظ صوف نے بتادیا کہ عِهْنٌ اون کے معنی میں ہے۔

6- اہل حق کے لئے حجت اور اہل باطل کی تردید ہو جاتی ہے جیسے سورۂ دہر میں ابن کثیر وغیرہ کی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

قرآءت پر وَمَلِكاكبیرا میں میم کا فتحہ اور لام کا کسرہ ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آخرت میں مومنین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ جبکہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں جو غلط ہے۔

7- بعض علماء کے قول کی ترجیح و تقویت کا باعث بن جانا جیسے اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ (سورہ نساء) کیونکہ لمس جماع کے معنی بھی دیتا ہے اور چھونے کے بھی۔ چنانچہ سورۃ انعام میں ہے فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ اَیْ مَسُّوْهُ

8- بعض نحویوں کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل بنتا ہے جیسے نساء میں به والارحامِ میں میم کے جر کی قراءت سے معلوم ہوگیا کہ کوفیین کا یہ قول صحیح ہے کہ ضمیر مجرور کے اعادے کے بغیر عطف کرنا جائز ہیں جبکہ بصری اسکو نہیں مانتے۔

9- دو قراءتوں سے جدا جدا احکام کا ثبوت مثلاً ارجلکم (مائدہ) میں ایک قراءت پر لام کا نصب اور دوسری پر جر ہے۔ پس نصب کی قرآءت کا تقاضا یہ ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونا فرض ہو اور جر والی قرآءت کا تقاضا یہ ہے کہ پیروں کا مسح فرض ہو سو نبی کریم ﷺ نے حدیث میں واضح فرما دیا کہ پاؤں کا دھونا تو اس پر فرض ہے جو موزے پہنے ہوئے نہ ہو اور مسح اس کے لئے ہے جس نے موزے پہن رکھے ہوں۔

﴿ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ ﴾

یہاں قرآءات کے بعض منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ارجلِکم کی قرآءت کو تسلیم کریں تو پاؤں کا مسح ماننا پڑے گا حالانکہ سنتِ ثابتہ پاؤں کا دھونا ہے اور دوسرا اس قرآءت کو تسلیم کرنے سے قرآن کا کمال مجروح ہوتا ہے اور عربیت کی رو سے عبارت مسخ ہوجاتی ہے ایسے کہ اگر اس قرآءت کو تسلیم کرلیا جائے تو الی الکعبین کی غایت جو مسح کے ساتھ ماننی پڑتی ہے کے کیا معنی ہیں گویا ان الفاظ کو زائد ماننا پڑے گا حالانکہ قرآن اس سے مبرا ہے۔ چنانچہ قرآن کا متن اس قراءت کو قبول نہیں کرتا۔

جواب: مکمل آیت یوں ہے: ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾

لفظ ارجلکم میں دو قرائتیں متواتر ہیں:

اَرْجُلِكُمْ: ○ ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری، شعبہ، حمزہ کوفی اور خلف العاشر کی قرآءت ہے۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اَرْجُلَكُمْ: ○ نافع مدنی، ابن عامر شامی، حفص، کسائی کوفی اور یعقوب بصری کی قرآءت

اگر تو ارجلَکم پڑھیں تو یہ فَاغْسِلُوْا کا مفعول بنے گا تو جس طرح وُجُوهَكُمْ یعنی چہروں کا دھونا ہے اسی طرح پاؤں کا دھونا واضح ہے لیکن اگر اَرْجُلِكُمْ پڑھیں تو "یہ بقول منکرین قرآءات وامسحوا کا معمول بنے گا جس کا مطلب ہوگا کہ پاؤں پر مسح کرو" لیکن در حقیقت یوں نہیں بلکہ ارجلکم کے باوجود یہ فاغسلوا کا معمول ہی رہے گا جس سے پاؤں کا دھونا ہی مراد ہے جہاں تک لام کے مکسور ہونے کا تعلق ہے تو یہ جر بالجوار (پڑوس کی وجہ سے جر کا آجانا) کے قبیل سے ہے کیونکہ اس سے پہلے بروسکم مجرور ہے تو بالاتباع ارجلکم بھی مجرور ہوگیا۔

ارجلِکم مجرور بجرالجوار ہے

اگر اس تقریر کو مان لیا جائے جو بالکل واضح ہے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ یہ چیز (جر بالجوار) عرب کلام میں عام ہے، چنانچہ علامہ امین بن محمد المختار شنقیطی اپنی تفسیر اضواء البیان جلد ۲ ص ۷-۹ پر رقمطراز ہیں کہ ارجلِکم جر والی قرآءت کو مجاورت کی بناء پر جر دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ محل کے اعتبار سے منصوب ہے اور عرب میں یہ بات عام تھی کہ وہ کلمہ کو مجاورت کی وجہ سے جر دیتے۔ اگرچہ وہ اعرابی لحاظ سے مرفوع یا منصوب کیوں نہ ہو۔

بعض نے اس جر بالجوار کو لحن (غلطی) پر بھی محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی گنجائش صرف ضرورتِ شعری کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ لغت کے ائمہ نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے جن میں سے اخفش اور ابو البقاء وغیرہ بھی ہیں۔ قرآن کریم میں ہی اس کی ایک اور مثال یوں ہے: ﴿ عَذَابُ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴾ قرآن میں ہی یہاں "الیم" مجرور ہے جو کہ جر بالجوار ہے حالانکہ "الیم" یوم کی صفت نہیں بلکہ عذاب کی صفت ہے جو کہ مرفوع ہے تو لا محالہ اس کو بھی مرفوع ہونا چاہئے کیونکہ صفت موصوف کا اعراب ایک ہوتا ہے لیکن جر بالجوار کی بناء پر "الیم" مجرور ہے جس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور یہ عذاب کی ہی صفت ہے۔

اسی طرح قرآن میں ﴿ عَذَابُ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴾ میں بھی محیط مجرور ہے بوجہ جر بالجوار۔ مزید دیکھئے: ﴿ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ○ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴾ یہاں "محفوظٌ" ہونا چاہئے تھا لیکن جر بالجوار ہے (اس کی امام قرطبی نے تصریح کی ہے)

قرآن مجید کے علاوہ کلام عرب میں بھی یہ بکثرت مستعمل ہے چنانچہ جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

(سانڈھے کی بل خراب ہے) یہاں "خَرِبٌ" ہونا چاہئے تھا کیونکہ "جُحر" کی صفت ہے جو کہ مرفوع ہے نا کہ "ضب" کی صفت ہے لیکن چونکہ یہ جر بالجوار ہے اس لئے مجرور ہے —— کلام عرب کے علاوہ شعراء کے کلام میں بھی یہ استعمال موجود ہے۔ چنانچہ امرؤ القیس کے شعر میں صفت کے اندر جر بالجوار مستعمل ہوئی ہے:

کان ثبیرا فی عرانین ودقه کبیر اناس فی بجاد مزمل

اب یہاں "مزمل" کو جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے حالانکہ یہ کبیر (جو کان کی خبر ہے اور وہ منصوب ہوتی ہے) کی صفت ہے تو صفت موصوف کا اعراب ایک ہوتا ہے' چاہئے تو منصوب تھا لیکن جر بالجوار کے قبیل سے ہے۔

اسی طرح عرب کے نامور شعراء ذو الرمہ، زہیر اور نابغہ ذبیانی وغیرہ کے شعروں میں بکثرت ہے جن کو بغرضِ اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

چنانچہ "ارجلِکم" کی قراءت بھی جر بالجوار کے قبیل سے ہے، اس کو ابن قدامہ نے المغنی میں اور سنن کبریٰ میں امام بیہقی نے ایک مستقل باب قائم کر کے ذکر کیا ہے جس کا عنوان باب من قرأ وَارجلِکم ...الخ پھر اعمش کی کلام ذکر کی ہے کہ کانو یقرؤن بالخفض وکانوا یغسلون یعنی صحابہ "ارجلِکم" پڑھتے تھے لیکن پاؤں دھوتے تھے۔

- علامہ شیخ احمد صاوی مالکی نے بھی اپنی کتاب **حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین** جلد نمبر ا ص ۲۷ میں اس کو بالجر علی الجوار کہہ کر اسی موقف کی تائید کی ہے۔
- سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی نے اپنی کتاب "**الفتوحات الالهية**" کی جلد نمبر ا ص ۴۶۷ پر
- جمال الدین قاسمی نے تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل جلد نمبر ۴ ص ۱۰۸ میں
- ابن الجوزی نے زاد المعاد جلد نمبر ۲ کے ص ۳۰۱ پر ابو الحسن الاخفش کا قول ذکر کر کے
- شیخ فتح محمد اعمیٰ نے عنایاتِ رحمانی جلد نمبر ۲ ص ۲۲۷ پر بزبانِ سیبویہ، اخفش اور عبید اسی موقف کی تائید کی ہے۔

چنانچہ اس لمبی تقریر سے ایک تو اس اعتراض کا جواب مل گیا کہ یہ قراءۃ قرآنی مفہوم کے خلاف ہے دوسرا یہ بھی معلوم ہوگیا کہ معطوف کے اندر بھی جر بالجوار جائز ہے جیسا کہ مثالیں گزریں (جب کہ بعض نے گمان کیا ہے کہ نہیں ہو سکتا)

مسح بمعنی "غسل"

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

لیکن اگر ارجلکم کو فامسحوا برؤسکم کے ساتھ معمول بنائیں تو پھر بھی مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور وہ یوں کہ عرب غسل کو مسح کا نام بھی دیتے ہیں جیسا کہ ابن الانباری نے کہا ہے اور ابو علی بھی یہی فرماتے ہیں کہ مسح سے مراد غسل ہے۔

چنانچہ ابو زید کا قول زاد المعاد کے ص ۲۰۱ جلد ۲ پر ہے کہ اہل عرب تمسحت للصلوٰۃ اس وقت کہتے ہیں جب وہ اعضاء کو دھو لیتے تھے گویا آیت میں مسح کو اگر مان لیں تو پھر بھی اس سے مراد غسل ہی ہوگا۔

اسی طرح امام قرطبی" جلد ۶ ص ۹۲ پر رقمطراز ہیں کہ لفظ مسح، غسل اور مسح دونوں کے لئے آتا ہے اس کا معنی دھونا اور مسح کرنا دونوں آتے ہیں۔

علامہ ہروی بھی لمبی سند ذکر کر کے ابو زید انصاری سے بیان کرتے ہیں کہ کلامِ عرب میں لفظ مسح غسل کے معنی میں بھی مستعمل ہے اس لئے جب کسی آدمی نے وضوء کیا ہو اور اپنے اعضاء کو دھویا ہو تو تمسح کے الفاظ بولتے ہیں، اور اسی طرح مَسَحَ اللہ ما بک اس وقت کہتے ہیں جب مخاطب کے لئے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کے دھو دینے اور پاک کر دینے کی دعا کی جائے۔

اور مسح بمعنی دھونا، سنن بیہقی کی اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے جس کو انہوں نے جلد ا ص ۷۵ پر نزال بن سبرہ سے علی بن ابی طالب کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ: انہ صلی الظہر ثم قعد فی حوائج الناس فی رحبہ الکوفۃ حتی حضرت صلوۃ العصر ثم اتی بکوز من ماء فاخذ منہ جفنۃ واحدۃ فمسح بہا وجہہ ویدیہ وراسہ ورجلیہ ..... الخ

یہاں پانی کے چلّو کے بعد لفظ مسح ہے، جو کہ دھونے پر دال ہے۔

حافظ ابن حجر بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ:

"فاخذ منہ کفا فمسح وجہہ وذراعیہ وراسہ ورجلیہ"

اسی طرح اعمش کی روایت سے ہے کہ "ومسح بوجہہ وراسہ ورجلیہ اور مسح المطر الارض اس وقت کہتے ہیں جب زمین کو بارش دھودے"۔

بعض نے دونوں قراءتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ نصب والی قراءۃ سے مراد دھونا ہے اور جر والی قراءۃ سے مراد دلک بالید بھی ہے جس کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ پاؤں گندگی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے دھونے کے ساتھ جر والی قراءت لا کر دَلک کو شامل کیا، تا کہ صفائی میں مبالغہ کا معنی مراد لیا جاسکے۔ واللہ علم

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ
حافظ محمد اسرائیل فاروقی

اسلامی حدود و تعزیرات، فلسفہ اور حکمت

حد کی جمع حدود ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں چودہ مقامات پر آیا ہے:

﴿ تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ (البقرہ:۱۸۷/۲)

"یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں، ان کے پاس نہ جانا"

﴿ اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ ﴾ (۲۲۹)

"ہاں اگر میاں بیوی کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے"

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴾ (۲۲۹)

"اگر تم ڈرتے ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے"

﴿ تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ (۲۲۹)

"یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں (احکامات) ان سے باہر نہ نکلنا"

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (۲۲۹)

"اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے، وہ گناہگار ہوں گے"

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ ﴾ (۲۳۰)

"ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کرلیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے"

﴿ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ (۲۳۰)

"اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اللہ ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو دانش رکھتے ہیں"

﴿ تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ ﴾ (النساء:۱۳)

"یہ تمام اللہ کے احکامات ہیں"

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ﴾ (النساء:۱۴)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ